انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون - ۲۹
قیمت تین روپیہ سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۲۲-۹-۶۴

جلد ۲۳ - شمارہ ۳۶ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۲۲ - ستمبر ۱۹۶۴ء

اداریہ

اردو دوستوں سے ایک گذارش

(۲)

ہم نے پچھلی اشاعت میں اس بات پر زور دیا تھا کہ موجودہ ریاستی حکومتیں اکثریت کی مرضی ہر بات میں دیکھتی ہیں اور اس لیے ہمیں حکومتوں کے سامنے اپنے مطالبات رکھنے کے علاوہ اکثریت کو بھی کسی نہ کسی طرح ساتھ لینا چاہیے۔ اکثریت سے بات ہم سیاسی بنیاد پر کرسکتے ہیں اور چوں کہ بیشتر سیاسی جماعتوں نے اپنے اعلانات میں اردو کے حقوق کو تسلیم کیا ہے اس لیے ہم ان سیاسی جماعتوں کو اردو کے معاملے میں اور بیدار کرسکتے ہیں۔ پھر، چوں کہ معاملہ اردو کا ہے اور ایک قومی معاملہ ہے، اس لیے اسے قومی نقطۂ نظر سے پیش کرنا ہوگا تاکہ بحث حکومت اور مخالف جماعت کی نہ بن جائے بلکہ قومی سطح پر رہے اور ہر سیاسی پارٹی اردو کے مشترک محاذ میں شریک ہوسکے۔ یہ کام مشکل ہے مگر ذرا سی سوجھ بوجھ اور استقلال سے ہوسکتا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہمیں تعلیم کے سلسلے میں اپنے طور پر کچھ کرنا ہے اور یہ کام بھی حکومت کو توجہ دلانے کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اگر ہم ایک اسکول کھولیں گے تو حکومت سے دو کھلوا سکیں گے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو پہلے اپنی مدد آپ کرتے ہیں، انھیں کی مدد کے لیے جدید دنیا بھی مستعد ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اردو کے مسئلے کو صرف اپنے کام یا دائرے کے تحت نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ تمام کاموں کے متعلق ایک مجموعی نظر پیدا کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اردو کی ترقی نہ صرف اردو اسکولوں کے کھلنے سے ہوگی، نہ صرف شبینہ مدارس سے، نہ صرف کتب خانے اور دار المطالعے قائم کرنے سے، نہ صرف معیاری کتابیں سستی شایع کرنے سے، نہ صرف ٹائپ کے حروف اختیار کرنے سے، نہ صرف اخباروں کی اشاعت بڑھانے سے، نہ صرف اردو تعلیم کو سائنٹفک بنانے سے، نہ صرف تنقید و تحقیق کا معیار بلند کرنے سے، نہ صرف مصور رسالوں کی اشاعت بڑھانے سے بلکہ ان سب چیزوں سے ہوگی۔ کام بہت بڑا ہے اور سبھی کو اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس میں مدد کرنا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ہر مقامی شاخ کوئی ایک کام جو وہ کرسکتی ہے اپنے ذمے لے اور اسے ایمان داری سے بغیر دوسروں پر اعتراض کیے یا حکومت اور اکثریت کا ماتم کیے، انجام دے۔ ریاستی شاخ ان کاموں کو مربوط کرنے کے علاوہ اپنی ریاست کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑے پیمانے پر ان کے علاوہ کوئی کام کرے اور مرکزی انجمن سب کاموں کی نگرانی کرنے کے علاوہ ریاستوں کے ان مسائل میں، جو کل ہند نقطۂ نظر سے اہم ہیں، ان کی رہنمائی کرے، اور حکومت اور عوام سے ان کے حل میں مدد لے۔ ہمارا خیال ہے کہ مجموعی طور پر اردو دشمنی کی نضاب کم ہے۔ ہاں اردو کے ساتھ انصاف کا جذبہ ابھی ہر جگہ بروئے کار نہیں آیا ہے۔ اس جذبے کو ہمیں تقویت دینا ہے۔

اس شمارے میں

کوئی کام کسی جادو کی چھڑی کی مدد سے نہیں ہو سکتا۔ ہمیں خلوص محنت و استقلال سے ایک ایک قدم آگے بڑھانا ہے۔ یہ قدم صرف اردو زبان کی ترقی کے لیے ہی نہیں، ملک کی یک جہتی کے لیے بھی ہوگا۔

انجمن ترقی اردو مراد آباد کا جلسہ

۲۷ اگست ۱۹۶۴ء کو رات کے آٹھ بجے انجمن ترقی اردو مراد آباد کا ایک اہم جلسہ دفتر روزنامہ "جدت" میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں شہر کے علما و فضلا، ادیب، شعرا، رؤسا و تاجر اور اردو نواز اصحاب نے بکثرت شرکت فرمائی۔ مجمع اس قدر تھا کہ "جدت" آفس کے صحن میں خالی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ چوں کہ اردو کے متعلق حضرت مہتمم صاحب کے پاکیزہ خیالات حاضرین کو سنوانے مقصود تھے اس لیے سابقہ جلسہ کی مختصر روداد اور انجمن کے مختصر حالات بتانے کے بعد ہی حضرت مولانا کی تقریر شروع کرا دی گئی۔ اردو کی اہمیت و فضیلت و ضرورت پر مہتمم صاحب نے ایسی بلند پایہ تقریر فرمائی جس سے حاضرین کے کان اس سے پہلے آشنا نہ تھے۔ انجمن کے اس سے پہلے جلسوں کی صدارت میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند و حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند و دیگر مشہور و مقتدر شخصیتیں فرما چکی ہیں۔ انجمن کی یہ خوش نصیبی ہے کہ دنیائے علم کی ایک مشہور قابل ترین شخصیت نے اس کے جلسہ کی صدارت کر کے فدائیان اردو میں ایک نئی امنگ پیدا کر دی۔

(مخبر عالم مراد آباد)

"میر کی حیات اور شاعری" کا انتساب شاہ نیپال نے منظور کر لیا

کل ہند میر اکاڈمی کے دفتر سلاری ہاؤس لکھنؤ میں ایک جلسہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کی صدارت میں ہوا جس میں مشکور احمد اعزازی رکن اکاڈمی نے بتایا کہ اکاڈمی کے صدر نے کھٹمنڈو نیپال سے بذریعہ تار یہ اطلاع دی ہے کہ شاہ نیپال نے میر تقی میر پر شایع ہونے والی کتاب "میر کی حیات اور شاعری" کا انتساب منظور کر لیا ہے۔ یہ کتاب اردو ہندی دونوں زبانوں میں شایع کی جا رہی ہے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

فن کاروں کو اعزاز

امریکہ کے صدر جانسن نے ۱۴ ستمبر کو واشنگٹن میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں، صاحب امتیاز شہریوں کو امریکہ کا سب سے بڑا غیر فوجی اعزاز نشان آزادی عطا کیا۔ اعزاز پانے والوں میں مشہور شاعر ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ، ناول نگار جان اسٹین بک، صحافی والٹر لپ مین، ناظم ہیرو ولیم والٹ ڈزنی اور ماہر تعلیمات ڈاکٹر ہیلن کیلر بھی شامل ہیں۔ جو اندھی، بہری اور گونگی ہیں۔

(بشکریہ امریکن ہیرالڈ)

کل ہند اردو کانفرنس جے پور

(۱) کل ہند اردو کانفرنس جے پور ۲، ۳، ۴۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو جے پور میں ہو رہی ہے۔

(۲) کمیشن فارم اور شناختی کارڈ بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۰ ستمبر ۱۹۶۴ء مقرر ہوئی تھی۔ چوں کہ ۲۰ ستمبر کو اتوار تھا، اس لیے ۲۱ ستمبر کی ڈاک سے جو بھی آرڈر اور خط آئے ان کی تعمیل بھی کر دی گئی ہے۔

اب یہ سلسلہ بالکل بند ہے۔

جن حضرات نے شرکت کے لیے فیس بھیج دی تھی مگر جنھیں نمایندگی نہ ملنے یا کسی اور وجہ سے شناختی کارڈ اور ذریعے فارم نہیں بھیجا جا سکا، ان کی رقم بطور امانت جمع ہے۔ کانفرنس کے بعد بھیج دی جائے گی۔

(۳) جن حضرات کے پاس شناختی کارڈ پہنچ چکے ہیں، جس ٹرین سے وہ جے پور پہنچ رہے ہیں اس کی اطلاع کم از کم ایک روز پہلے ذیل کے پتہ پر ضرور کر دیں:

سکریٹری مجلس استقبالیہ کل ہند اردو کانفرنس
تسلیم منزل
جے پور

پہلی اکتوبر سے کانفرنس کا دفتر جلسہ گاہ میں منتقل ہو جائے گا اور یہ پتہ رہے گا:

مسلم مسافر خانہ، بیرون سانگانیر دروازہ
جے پور

(۴) شناختی کارڈ ساتھ لانا نہ بھولیے۔

(۵) جے پور اسٹیشن پر پذیرائی کے لیے کارکن اور والنٹیر موجود ہوں گے۔

"ہماری زبان"

(۱) "ہماری زبان" کا پہلی اکتوبر کا اخبار نکلے گا اس کے بعد ۸ کا نہیں شایع ہوگا۔ ۱۵ اکتوبر کا پرچہ کانفرنس نمبر ہوگا جس میں کانفرنس کی کل تفصیلات ہوں گی۔

---

(۲) مرکزی انجمن کا شعبۂ کانفرنس ۲۶ ستمبر ۶۴ء کو علی گڑھ سے جے پور کو منتقل ہو جائے گا۔

زیدی جعفر رضا

فارسی رسم الخط میں ہندی الفاظ کا صحیح تلفظ

(میرزا روشن ضمیر کے مشوروں کی روشنی میں)

میرزا روشن ضمیر عہد عالمگیر کا ایک درخشندہ ستارہ تھا جس نے ایران سے ہندوستان آ کر مسعود سعد، ابو معشر فلکی اور ابوریحان بیرونی کی روایات کو تاریخ کے اوراق میں ایک مرتبہ پھر اجاگر کر دیا۔ محی الدین اورنگ زیب نے جو خود بھی ایک عالم تھا اور علماء و فضلاء کی قدر و منزلت اپنا اولین فریضہ سمجھتا تھا میرزا کا پرزور استقبال کیا اور اسے شاہی منصب دار مقرر کیا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی تذکرہ ید بیضا میں میرزا کے ترجمے میں رقمطراز ہیں: "ضمیر اسمش میرزا روشن ضمیر بودہ از عالی طبعان زمانہ و بلند فطرتان یگانہ است در عہد عالمگیر بادشاہ از ولایت ایران بہند آمدہ و در سلک منصبداران شاہی انتظام یافتہ"

(تذکرہ ید بیضا قلمی مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ورق ۱۱۱)

اورنگ زیب سے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کے علوم و فنون اور زبان سے بے حد متنفر تھا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے ہندی زبان کی طرف جتنی توجہ کی اس کے پیش رووں کے زمانہ میں نہیں کی تھی۔ اورنگ زیب خود بھی برج بھاشا کا ایک اچھا شاعر تھا۔ اس کی نگاہ علوم کے تعمیری پہلو پر ہوتی تھی اس کے نزدیک علم کا غلط استعمال ایک عظیم گناہ تھا۔ اورنگ زیب کو موسیقی سے بھی ایک خاص لگاؤ تھا لیکن موسیقی کے ذریعہ قدرت کے نظام میں تبدیلیاں پیدا کرنا غالباً اس کے خیال میں درست نہیں تھا۔

میرزا روشن ضمیر نے ہندوستان میں آ کر زبان سنسکرت کا عمیق مطالعہ کیا اور فن موسیقی میں کمال حاصل کیا۔ تذکرہ مراۃ الخیال کا مصنف ایک مقام پر لکھتا ہے: "میرزا روشن ضمیر از اعاظم سخندان و اکابر باقی نظراں روزگار بودہ۔ چنانکہ در عرفی و فارسی قانون خسروی بظہور آوردہ در علم ہندی از ثقات آں فن گردیدہ چنانچہ اکثری بیشتر دست درد ی امید دریں فن نہادند و در علم خاص موسیقی بجائی رسید کہ استادان ماہر بسیار از پیش مباہات فی نمودند و چندے تحت ... ہزار و نہ پانی مقبایں صاحب نواز اہل صحبت گردیدہ بود"

(تذکرہ مراۃ الخیال مطبوعہ صفحہ ۲۲۸)

میرزا نے ''ہوبلی'' کی مشہور تصنیف پارجات کا جو فن موسیقی سے متعلق ہے اور سنسکرت زبان میں ہے فارسی میں ترجمہ کیا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی اس ترجمہ کا حوالہ تذکرہ ید بیضا میں اس طرح درج کرتے ہیں: "ترجمہ پارجاتک در فن نغمات ہندی از وست۔" میری نگاہ سے اس ترجمے کے دو نسخے گزرے ہیں، ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے اور دوسرا کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں۔ روشن ضمیر نے اس ترجمہ میں مختلف ہندی راگوں کو واضح کرنے کے لئے خود اپنے کبت اور دوہے درج کئے ہیں۔ میرزا ہندی کا ایک اچھا شاعر تھا۔ وہ ہندی میں بھی تخلص کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرزا روشن ضمیر نے ایک رباعی عالمگیر کی شان میں لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کی بادشاہ نے صلہ کے طور پر سات ہزار روپے میرزا کو مرحمت کئے۔ رباعی اس طرح ہے۔

محی الدین و مصطفیٰ حافظ تو	صاحب سیف و مرتضیٰ حافظ تو
تو حامی شرع و حامی تو شارع	تو حافظ قرآں و خدا حافظ تو

(تذکرہ مراۃ الخیال مطبوعہ صفحہ ۲۲۹)

میرزا کی ہندی تصنیف تحفہ سنگھ کے بھی دو نسخے مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہیں۔ ان میں ایک نسخہ شاعر کے زمانے کا ہے اور نہایت نادر ہے۔ میرزا لسانیات کا زبردست عالم تھا۔ تحفہ سنگھ (سرایا) اور ترجمہ پارجات دونوں ہی تصانیف کی ابتدا میں میرزا نے فارسی رسم الخط سے متعلق چند اہم اور قابل قدر مشورے درج کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ فارسی رسم الخط میں ہندی کا کلام لکھنا آسان ہے لیکن اس کا پڑھنا مشکل ہے اس کے نزدیک ناگری رسم الخط اچھا ضرور ہے لیکن اس میں چونکہ کبھی حروف مفرد ہوتے ہیں اس لئے یہ تصدیع سے خالی نہیں ہوتا۔ خود میرزا کے الفاظ ملاحظہ کیجئے: "کلام ہندی بخط ہندی نوشتن و خواندن از جہت کہ اکثر الفاظ بحروف مفردہ نوشتہ میشود خالی از تصدیع نیست و بخط فارسی نوشتن آسان و خواندن مشکل"

(تحفہ سنگھ قلمی میرزا روشن ضمیر نیز مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

میرزا نے فارسی رسم الخط میں ہندی الفاظ کے صحیح تلفظ کے لئے چند تبدیلیاں کی ہیں جن سے ناگری خط کی بعض اہم خصوصیات اس میں آ جاتی ہیں۔ اس نے اس کے لئے تین ضابطے مقرر کئے ہیں۔ ضابطہ اول میں میرزا نے نون کے تلفظ پر غور کیا ہے۔ نون کا تلفظ تین طرح سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میرزا نے کنول (कँवल) کنج (कुंज) اور کندن (कुन्दन) الفاظ درج کئے ہیں۔ ناگری رسم الخط میں ان تینوں لفظوں میں حرف نون تین شکلیں اختیار کر لیتا ہے لیکن فارسی رسم الخط میں انھیں ہم ایک ہی طرح لکھتے ہیں۔ میرزا کی رائے میں ناگری رسم الخط کے حرف نون کی پہلی دو شکلیں فارسی خط میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ سموئی جا سکتی ہیں۔ مثلاً لفظ کنول (कँवल) میں اگر نقطہ کی جگہ پر ناگری خط کے چندر بند کا چاند بنا دیا جائے اور اسے یوں (کنول) لکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ اسی طرح لفظ کنج (कुंज) کے تلفظ کے لئے ناگری خط کے اسی چاند کو اگر الٹ کر یوں (کنج) لکھا جائے تو اس کی شکل بھی علیحدہ ہو جائے گی۔ اور تیسری شکل فارسی نون کی جیسی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔

ضابطہ دوم میں میرزا نے ک، کھ، گ اور گھ (क, ख, ग, घ) حروف کے تلفظ پر غور کیا ہے۔ میرزا نے اس کے لئے کاف عربی جو خط ثلث

میں ہے اور کاف فارسی جو خط نستعلیق میں ہے ان کے درمیان ایک واضح فرق بتا کر ک کھ اور گ گھ کے تلفظ کے لئے اس طرح ک. ک، گ. گ لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ میرزا کا کہنا ہے کہ ناگری خط میں کھ اور گھ حروف میں ہا کی آواز حروف کی نفس میں شامل ہے اس صورت میں ख घ کو کھ اور گھ لکھنا مناسب نہیں۔ مثال کے طور پر میرزا نے گہر (गहरा) اور گہر (घर) الفاظ درج کئے ہیں میرزا کے مشورہ کے مطابق لفظ گہر (घर) اس طرح گہر لکھنا چاہیے اور لفظ گہر (गहरा) اس طرح گ ہر لکھا جانا چاہیے۔

تیسری بات جس کی طرف میرزا نے توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو تحریر میں تین یا چار حرف ہوتے ہیں لیکن ان کا شمار دو اور تین کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میرزا نے ہندی کا لفظ سرد ن (सदन) درج کیا ہے اس لفظ میں بظاہر چار حروف ہیں لیکن یہ تین حروف شمار کئے جاتے ہیں۔ میرزا کی رائے میں جس طرح ناگری خط میں حرف نیچے کی جانب ہے فارسی خط میں بھی یوں ہی لکھا جا سکتا ہے یعنی لفظ سرد ن کو اس طرح رس دن لکھنا چاہیے۔ آخر میں میرزا نے ہندی کے سور اور ویجنو ن کے لئے فارسی حروف اور اعراب درج کئے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

ا آ ِ ی ُ و ے ﮯ او اَو اں اہ

اعراب: अ आ इ ई उ ऊ ए ऐ ओ औ अं अः

ک کھ گ گھ ڱ چ چھ ج جھ ٹ ٹھ ڈ ڈھ

حروف شناسی: क ख ग घ ङ च छ ज झ ट ठ ड ढ

ت تھ د دھ ن پ پھ ب بھ م ی ر ل و ش س

त थ द ध न प फ ब भ म य र ल व श स

س ہ چھ

स ह क्ष

برطانیہ میں اردو کی مقبولیت

لندن ۲ر ستمبر۔ یہاں کی تین بڑی سیاسی پارٹیاں یہ منصوبہ بنا رہی ہیں کہ آنے والے عام انتخابات میں ۵ لاکھ آباد تارکین وطن کی حمایت حاصل کرنے کے لئے پمفلٹ اور پوسٹر اردو زبان میں شایع کرائے جائیں۔ تارکین وطن میں ہندوستانی اور پاکستانی باشندوں کی تعداد تقریباً ۲ لاکھ سے زائد ہے برطانیہ کی لبرل پارٹی شمالی ہند اور پاکستانی باشندوں کے لئے اردو میں پوسٹر شایع کرا رہی ہے۔ خیال رہے کہ برطانیہ میں تارکین وطن میں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے کنزرویٹو پارٹی (قدامت پسند پارٹی) پنجابی، ہندی اور اردو میں پوسٹر چھپوا رہی ہے۔

(سیاست جدید کانپور)

ڈاکٹر عبادت بریلوی کی دو نئی کتابیں

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے برٹش میوزیم کے قدیم اور اصل مخطوطے سے ہفت گلشن اور شکنتلا کے جو نسخے ترتیب دئے تھے وہ ان کے ایک فاضلانہ اور مبسوط مقدمے کے ساتھ اردو دنیا کراچی کے زیر اہتمام شایع ہو گئے ہیں۔ (افکار کراچی)

مرزا غالب کی کرسی کراچی میں

کراچی کے قومی عجائب گھر میں ایک تاریخی اور یادگار کرسی کا اضافہ ہوا ہے جسے ڈیڑھ سو سال قبل اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب استعمال کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں یہ کرسی اکثر و بیشتر ان کے استعمال میں رہتی تھی یہ کرسی میرٹھ کے نواب محمد اسماعیل خاں کے خاندان میں تھی جسے اب ان کے بیٹے نواب افتخار احمد خاں نے قومی عجائب گھر کو بطور تحفہ پیش کیا ہے۔ یہ کرسی غالب کے انتقال کے بعد کچھ دن تک نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے پاس بھی رہی۔ (افکار کراچی)

ماہنامہ کتاب کا ہندی کہانی نمبر

ماہنامہ کتاب لکھنؤ نے جو تقریباً دو سال سے پابندی وقت کے ساتھ شایع ہو رہا ہے، جولائی کا شمارہ نئی ہندی کہانی نمبر کی صورت میں شایع کیا ہے۔ اس نمبر میں ہندی کے بارہ نمایندہ افسانہ نگاروں کی کہانیوں کے علاوہ ہندی اور اردو افسانہ پر تین مضامین بھی شامل ہیں۔ ۱۱۱ صفحے کے اس خاص نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے یہ نمبر دفتر ماہنامہ کتاب، چوک لکھنؤ ۳ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آسنسول میں "مرکز ادب" کا قیام

۲۱ر اگست ۷۴ء کی شام کو شہر آسنسول کے نوجوانان و بہی خواہان اردو کی ایک مخصوص نشست میں "مرکز ادب" کے نام سے ایک ادبی انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے سکریٹری محب الرحمٰن کوثر صاحب اور خازن انور خورشید صاحب منتخب کئے گئے۔

اغراض و مقاصد:

۱۔ ممبران مرکز ادب کی ہر ماہ ایک نشست ہوا کرے گی جس میں چند حضرات کی تخلیقات پر تنقید و تبصرے ہوا کریں گے۔

۲۔ ممبران مرکز ادب "اردو کی ترویج و اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیا کریں گے۔ اور غیر اردو داں طبقے میں اسے مقبول بنانے اور اسے پھیلانے کی حتی الامکان کوشش کریں گے۔

۳۔ کم پڑھے لکھے اردو داں طبقے میں صحت مند ادبی ذوق پیدا کرنے کی کوشش میں ممبران زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا اظہار کریں گے۔ (سکریٹری)

سید حرمت الاکرام

رباعیات

رہ رہ کے کوئی چھیڑتا ہو جیسے ساز
بوندوں کی کھنک کا یہ انوکھا انداز
دل کو ترے بیچ میں پکارا کس نے؟
آتی ہے گھٹاؤں سے یہ کیسی آواز؟

شاعر ہوں مرے پاس دھرا ہی کیا ہے
ہاں جس کا نہیں مول کوئی وہ اک شے
قدرت بھی نہ دے پائے گی ایسی سوغات
لے جاؤ گھٹاؤ بھرے نغمات کی لے

دلدار گھٹاؤں کا یہ انداز کرم
دولت یہ بلندی سے برستی چھم چھم
اے خاک! اس انمول خزانے کو سنبھال
بوندوں کے گہر بار تسلسل کی قسم

بالیدہ امنگوں کی لہک خواب ہوئی
احساس کی وہ تازگی نایاب ہوئی
ساون تری چاہ میں بخش گھٹاؤں کی قسم
دنیا مری اجڑی، تو نہ شاداب ہوئی

ملک اسمٰعیل حسن خاں

غزل

سنے یہ غم کے بجھاؤ بڑی اداس ہے رات
کچھ اور گیت سناؤ بڑی اداس ہے رات

چھلکتی کلیو! اضطرار نہ زور سے چھلکو
اب اور دل نہ دکھاؤ بڑی اداس ہے رات

وہ غم کے دل کو جو رہ رہ کے دستا رہتا ہے
اسے کچھ اور بہلاؤ بڑی اداس ہے رات

جھلس کے رہ گئی ہے آہ آرزو دل کی
کبھی ادھر بھی تو آؤ بڑی اداس ہے رات

شکستہ حال پڑی کیوں ہے اپنی محفل دل
پھر آج اس کو سجاؤ بڑی اداس ہے رات

اٹھے نہ یاد کرو مجھ کو جو ہونا تھا
وہ تیر غم نہ چلاؤ بڑی اداس ہے رات

رواں دواں نہ ادھر سے ادھر کو یوں جھونکو
یہیں پہ برسو گھٹاؤ بڑی اداس ہے رات

وہ عیش رفتہ کی باتیں جو بن چکی ہیں خواب
ملک پھر آج سناؤ بڑی اداس ہے رات

عبدالحی

غزل

(نذر مجاز)

نگاہ ناز میں کیف شراب پیدا کر
دلوں کو مست بنا لطف خواب پیدا کر

اٹھ اور کر تہ و بالا نظام عالم کو
ہر اک گام پہ اک انقلاب پیدا کر

کہاں تلک یہی آداب کہنہ اے ساقی
طریق لطف میں کچھ انقلاب پیدا کر

ترا شباب تو سیمابیت سے عاری ہے
کہیں شباب جیسے وہ شباب پیدا کر

نوا میں کیف حرارت لہو میں دل میں گداز
کہیں سے اے دل خانہ خراب پیدا کر

خزان اشک مسرت نہ دے سکیں گے تجھے
سلیقۂ عمل و انقلاب پیدا کر

لہو سے سینچ کے گلزار زندگانی کو
مسرتوں کے دہکتے گلاب پیدا کر

جہاں تیرہ میں خود اپنی رہنمائی کو
نئے ستارے نیا آفتاب پیدا کر

ندیم مرادآبادی

حضرت جگر کے نام

اے شہنشاہ تغزل اے ادب کے پاسباں
یاد ہیں وہ دن کہ تھا جب تو ہمارے درمیاں

آئینہ دیتی تھی فطرت حسن کے انداز کو
جھوم اٹھتا تھا جہاں سنکر تیری آواز کو

معنی و لفظ و بیاں کا یاد ہے جادو ابھی
تیرے حسن شعر کی ممنون ہے اردو ابھی

تو نہیں ہے بزم میں لیکن نہ جھکتی ہے نظر
محفل شعر و ادب میں گنگناتے شعر تر

ایک عالم کے دلوں پر چھا گیا تیرا کلام
عام ہے دیر و حرم میں آج تک تیرا پیام

ایک عالم تیرے حسن شعر سے جلتا رہا
تو ترقی خیز راہوں پر مگر چلتا رہا

تو بساط عالم اسباب میں شاطر بھی تھا
کون جانے یہ کہ تو صوفی بھی تھا شاعر بھی تھا

یاد کرنے کو تجھے پھر نو ستمبر آگیا
شعر تازہ بن کے ذوق شاعری پر چھا گیا

لطف جو پائے ہیں صحبت سے تیری جان غزل
وہ بھلائے جا نہیں سکتے پہ عنوان غزل

تو نے جو نغمے بکھیرے ہیں غزل کے ساز پر
زندگی تا حشر دہرائے گی ہر آغاز پر

موت کی کیا ہے حقیقت آئے جو مذکور میں
جسم خاکی سے نکل کر آ گیا تو نور میں

پہلے مرنے کے جو مر جاتے ہیں وہ مرتے نہیں
زندگی کے راز کو افشا کبھی کرتے نہیں

تجھ کو پا سکتا نہیں گو عالم اسباب میں
دیکھ لیتا ہوں مگر اب بھی تجھے میں خواب میں

وقار خلیل

مدرسہ گر گیا!

(ڈاکٹر زور مرحوم کی یاد میں، دوسری برسی ۲۴ ستمبر کے موقع پر)

اک قلم چلتے چلتے اچانک رکا
عہد نامہ وفا کا ادھورا رہا
روشنائی پشیماں ہے تحریر پر

مطلع صبح پر ایک سنہری کرن
باد و باراں کے موسم میں کجلا گئی
رنگ اڑنے لگا چہرۂ صبح کا

ایک تارا فلک سے گرا ٹوٹ کر
بجھ گیا اک شرر دامنِ نور میں
شور محشر اٹھا۔

اک ورق در ورق داستان وفا
اپنے کردار پر سرنگوں ہو گئی
علم و تہذیب کا ایک پرچم گرا

اک صحیفہ کا رنگیں ورق کھو گیا
اک ستارہ خلاؤں میں گم ہو گیا
خود محقق ہی موضوع فن بن گیا

کعبۂ علم و دانش کے دیوار و در
تھے تو مضبوط، بھونچال یوں آگیا
مدرسہ گر گیا

سہیل منظور الحسن برکاتی

اختر شیرانی کی رومانی شاعری

سرزمینِ ٹونک، معمولی لفظ ہے، اس سے مطلب ادا نہیں ہوتا۔ یوں کہنا چاہیے، کہ "گلِ زمینِ ٹونک" نے اردو دنیا کو ایک مہکتے ہوئے پھول کی خوشبو سے معطر کیا ہے، جس نے اپنا نام شاعری میں "اختر" رکھ لیا ہے۔ "یہ اختر تابندہ"، مردم خیز خطۂ ٹونک کے ایک عزت دار اور سماج میں معتبر خاندان سے اٹھا، دادا کا وطن پھیپھور (بڑی کھاٹو) ہے۔ جو سلسلۂ کاروبار ٹونک میں منتقل ہوئے اور اپنے لختِ جگر محمود خاں کو حصولِ تعلیم کے لئے لندن بھیجا، یہ وہ دور ہے، جب ڈاکٹر اقبال بھی لندن میں مقیم تھے۔ محمود خاں شیرانی ولایت سے واپس آئے تو وطن کی غلامی کا احساس لے کر اور ہندوستان پر انگریزی قوم کے قبضہ کی حقیقت سے آشنا ہو کر لوٹے، ان کی نظم "ٹیپو سلطان" وطن کے بارے میں دردمند جذبات کی بہترین ترجمان ہے۔

محمود خاں شیرانی نے ۱۹۲۱ء میں ٹونک چھوڑا، اور اورینٹل کالج لاہور میں، فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا، اور اُن کے قلم سے "پنجاب میں اردو" اور "تنقید شعر العجم" جیسی کتابیں نکلیں۔ انھیں پروفیسر شیرانی کے بیٹے ہیں اردو کے شاعرِ رومان اختر شیرانی!

اختر شیرانی نے اردو فارسی پڑھی تھی، اور انگریزی کم، ٹونک سے نکلنے کے بعد اپنے والد کی ملازمت کے مقام لاہور میں پہنچے، اختر کی عمر ان دنوں میر حسن کے شعر کی تصویر تھی ؎

بہت تھا پندرہ یا کہ سولہ کا سِن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

علامہ تاجور نجیب آبادی کا "اردو مرکز" اُن دنوں ادیبوں، رومانیوں اور بادہ نوشوں کا مرکز تھا، اس مرکز میں حضرت جگر مرادآبادی بھی شامل تھے، اختر جیسے نوجوان، گل رو، کو جو ذہین اور مہذب تھا مرکز نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور تھوڑے ہی دن کے بعد اختر نے لاہور کی رومینٹک دنیا میں اپنا مقام الگ پیدا کر لیا۔ اختر کم عمری ہی میں ٹونک سے شعر کہتے ہوئے نکلے تھے۔ لاہور جیسے شہر کے رسالوں اور اخباروں نے ٹونک کے اس غنچہ کو چٹکا دیا۔ اور شہرت میں اختر بنا دیا اختر شیرانی کہیے یا اختر رومانی!

رومان کسے کہتے ہیں۔ یہ کیا بلا ہے۔ رومانی شاعری کیسی ہوتی ہے اس پر خود اختر نے روشنی ڈالی ہے ؎

تیرا رومان نیا خواب ہے اختر کے لئے
آ اور اس خواب کی تعبیر بنا دے آکر

صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ رومان کے معنی محبت، لیکن وہ محبت نہیں جو اولاد کے لئے ماں کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ محبت نہیں جو بیوی کے دل میں شوہر کے لئے ہوتی ہے۔ وہ محبت بھی نہیں جو ایرانی خیال عاشقوں کے دل میں غمزہ زن ترک بچوں کے لئے ہوتی ہے۔ بلکہ رومان صرف وہ محبت ہے جو ایک صاف ستھرے روشن دل نوجوان کے دل میں ایک سلیقہ شعار، حسین اور مہذب لڑکی کے لئے ابھرتی ہے۔

اختر شیرانی نے محبت کی تمام قسموں کو چھوڑ کر صرف ایسی محبت کی ترجمانی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا، انھوں نے اردو میں غزلیں بھی لکھیں، اور اپنی نظموں کو بھی رومانی غزلوں کا روپ دیا۔

ہندوستان میں انگریزی تہذیب کے اثر سے راجپوتوں، اور مسلمانوں کا گہرا پردہ ٹوٹ چکا تھا، لڑکیاں بے حجاب سڑکوں پر آگئی تھیں، وقت کی رفتار کے ساتھ جذبات کا تقاضہ بھی تھا، کہ اردو شاعری میں بھی معشوق کے چہرہ سے نقاب اتار دی جائے۔

اختر نے جرأت کر کے گجرات کی سلمٰی کے چہرے سے سرِ بازار نقاب اتار دی، اور غریب لڑکی صرف یہ کہہ کر رہ گئی ۔ "ہمیں اس طرح بدنام نہ کرو"

شعر میں ذکرِ کسی کا دلِ ناکام نہ کر
اس نے لکھا ہے کہ یوں تو ہمیں بدنام نہ کر

اختر باوجود طبیعت کی رندانہ شوخی کے ٹونک کے مذہبی گھر کی تربیت کے زیرِ اثر ایک حیاپرور نوجوان تھے۔ عرب شعرا کی تقلید میں انھوں نے اپنی معشوقاؤں کا ذکر صاف صاف تو کیا، لیکن ہندوستانی لڑکیوں، عزت النسا، شیریں بیگم، گلزار بانو وغیرہ کے لئے انھوں نے عرب شاعروں سے ان کی معشوقاؤں کے نام مستعار مانگ لئے۔ اور سلمیٰ، اور عذرا کہہ کر پکارنے لگے۔ ہندوستان کی حیادار لیکن نئی تہذیب کی پروردہ لڑکیوں نے اس نام کے پردہ کو غنیمت جانا اور اختر سے سمجھوتا ہو گیا۔

خط و کتابت، پیام و سلام، ملاقاتیں ہونے لگیں اور اختر کی رومانی شاعری ساتویں آسمان پر پہونچ گئی۔

لکھنؤ کی سلمیٰ سے خطاب کرتے ہوئے اظہار اشتیاق کرتے ہیں ؎

کب تلک رونقِ شامِ اودھ اے ماہ رواں
شامِ لاہور کو بھی صبح بنا دے آکر

ہو چکی سیرِ بہارانِ کدۂ قیصر باغ
باغ "لارنس" میں بھی پھول کھلا دے آکر

گومتی دیکھ چکی جلوۂ عارض کی بہار
سطحِ راوی کو بھی آئینہ بنا دے آکر

زلیخائے سندھ کی شان میں جو اکثر دہلی سے سندھ، سندھ سے دہلی جاتے ہوئے لاہور سے گزرتی ؎

راہ دہلی سے صبا عطر فشاں آتی ہے
خبر آئی ہے کہ وہ جانِ جہاں آتی ہے

اور پھر:

سامان رشکِ انجم و مہتاب کر کے جا
لاہور کی فضاؤں کو شاداب کر کے جا
مانا کنارِ سندھ ہے مضطر ترے لئے
کچھ تو علاج پہلوئے پنجاب کر کے جا

لڑکی کی محبت کو رومان کا نام دے کر اختر نے چونکہ اپنی شاعری میں چمک دار موتی بنا دیا تھا۔ یہ لڑکیاں خواہ پنجاب کی ہوں، اودھ کی ہوں، راجپوتانہ کی ہوں، اختر سے یکساں محبت کرتی تھیں، اور اختر کو اس پر فخر تھا۔

اپنے نیاز پہ مجھے پھر ہو چلا ہے ناز
اک مہ جبیں کے سینے میں مسکن ہے آجکل
اختر پھرے نہ کس لئے آوارہ سا یہاں
امرتسر اس پری کا نشیمن ہے آجکل

یوں تو اختر کے یہاں ہر صوبہ کی سلمائیں اور عذرائیں موجود ہیں لیکن سلمائے گجرات کا ان کی شاعرانہ زندگی پر بڑا احسان ہے

جھولا جھلائیں چل کے حسینوں کے باغ میں
گجرات میں سنا ہے کہ برسات ہو گئی

سلمائے ٹونک کی محبت کی قدر بھی اختر کو سلمائے گجرات کے بعد ہی ہوئی۔ نذرِ دلہن کے نام سے لاہور سے ٹونک آتے ہوئے جو نظم لکھی ہے اس میں کہتے ہیں ؎

بخشا تھا جس نے پہلے پہل دردِ عاشقی
پھر اس کے در پہ سجدۂ شکرانہ چاہیے
مدت کے بعد سامنے ہو گی وہ شمع رو
پھر دل کو سوزشِ پروانہ چاہیے

محبت کی قسم کوئی سی بھی ہو، انسانی جذبات میں یہ جذبہ سب سے زیادہ گمبھیر اور ہمہ گیر ہے۔ جب محبت انفعالی ہے تو محبت کے پردوں سے وہ بلند بھی ہوتی ہے۔ کوئی شیڈ لگا دیا جائے تو اور بات ہے ورنہ یہ جذبہ دل میں پیدا ہو کر دائیں، بائیں، اوپر، نیچے برابر پھیلتا ہے اگر شیڈ نیچے کی طرف لگا دیا جائے تو اس کی روشنی اوپر ہی اوپر جاتی ہے اور جذبہ پھر مطلق اور آزاد ہو جاتا ہے، اور سلمٰی اور عذرا کا چاہنے والا بھی ایک صوفی شاعر کی طرح کہہ جاتا ہے۔

یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے میں نے بزمِ ہستی کو
کہ جو شے ہے نگاہوں میں حسیں معلوم ہوتی ہے
تم اپنا آستاں بھی طرح پہچان سکتے ہو
ہمیں تو یہ ہماری ہی جبیں معلوم ہوتی ہے
ہزاروں میں سے اک دل کو بھی خوشی نہیں اختر
خدائی کس قدر اندوہ گیں معلوم ہوتی ہے

۹ ستمبر کے تاریخی دن کو سلام، کہ یہ وہ تاریخ ہے جب راجستھان کا یہ شاعر رومان قیدِ ہستی سے لاہور میں چھوٹا اور ابدی آرام گاہ میں پہنچا۔

سما کر دل میں نظروں سے نہاں ہو
مرے یاد آنے والے تو کہاں ہے

کلکٹر ضلع ناندیڑ کی جانب سے اردو کی بیخ کنی کی مہم

ناندیڑ۔ پچھلے دنوں کلکٹر ضلع ناندیڑ نے بعض ایسے اقدامات کئے ہیں جنہیں "اردو کے تابوت میں آخری کیل" کے عنوان سے یاد کیا جا رہا ہے۔ کلکٹر مذکور نے حال ہی میں جو احکام جاری کئے ہیں ان میں صاف اور غیر مبہم الفاظ میں کہا گیا ہے کہ "یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بعض دفاتر میں اردو کا چلن باقی ہے۔ آئندہ اردو سرکاری دفاتر میں کسی نوعیت سے بھی استعمال نہ ہونے پائے اور نہ ہی اس قسم کی درخواستیں قبول کی جائیں۔ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے گی۔" اس سلسلہ میں تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ کلکٹر مذکور نے پہلے سخت تادیبی کارروائی کی اور بعد کو یہ احکام جاری ہوئے۔ باوثوق ذرائع نے بتایا ہے کہ کلکٹر موصوف ضلع ناندیڑ کے ایک تعلقہ (حدگاؤں) دورے پر تشریف لے گئے جہاں بعض اندراجات کی جانچ کے دوران آپ کو کسی مثل پر چند الفاظ اردو میں درج نظر آئے جنہیں دیکھ کر موصوف برافروختہ ہو گئے اور فوری مثل پر تجویز کیا کہ کیوں نہ اہلکار متعلقہ کو معطل کیا جائے؟ (بعد کی اطلاعات کے مطابق اہلکار مذکور کو معطل کر دیا گیا) اس کے فوری بعد ہی موصوف نے ایک مراسلہ کے ذریعہ ضلع میں اردو کی بیخ کنی کے مذکورہ بالا نادر شاہی احکام جاری کئے۔ مسلسل کی ایک اور اطلاع ضلع عثمان آباد سے وصول ہوئی ہے جس کے مطابق وہاں ایک اہلکار کو مشاعرے میں شرکت کے "جرم" میں معطل کر دیا گیا۔

کلکٹر ضلع ناندیڑ کی ان اردو دشمن سرگرمیوں کے باعث اردو داں طبقہ میں سنسنی پھیل گئی ہے انجمن ترقی اردو شاخ ونگلور نے کلکٹر کی ان سرگرمیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ طے کیا ہے کہ اس سلسلہ میں صوبائی اور مرکزی انجمنوں سے ربط پیدا کر کے اعلیٰ سطح پر مؤثر اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ عام اردو داں طبقہ میں بھی یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اس مرحلہ پر مرکزی اور صوبائی انجمنوں کو اعلیٰ سطح پر فوری اقدامات کرنا چاہیے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر بات یہ ہے کہ اردو کے تعلق سے کلکٹر ضلع ناندیڑ نے جو احکامات جاری کئے ہیں انہیں قانون داں طبقہ نے غیر مجاز اور غیر اختیاری قرار دیا ہے۔ یہ وضاحت بھی بے جا نہ ہوگی کہ حکومت مہاراشٹر نے چند ماہ قبل ایک گشتی کے ذریعہ تمام دفتری کاروبار سرکاری طور پر مرہٹی میں انجام دینے کا حکم دیا تھا لیکن اس میں بھی اردو میں درخواستیں قبول کرنے پر یا اردو تحریروں پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔

سکریٹری انجمن ترقی اردو، ونگلور

مراسلات

آنجہانی اور مرحوم

یکم ستمبر کے پرچے میں آپ کے ہاں مراسلہ "آنجہانی اور مرحوم" پر دیکھا۔ کاش آپ نے یہ ایک سطری نوٹ دے کر اس بحث کو ختم کر دیا ہوتا۔ کہ مسئلہ ادبی نہیں مذہبی ہے اور اس لئے ہماری زبان کے صفحات پر ناقابل بحث۔" (مولانا) عبد الماجد دریابادی

لکھنؤ میں سڑکوں کے نام ہندی میں

۱۵ر اگست ۱۹۷۴ء کی "ہماری زبان" میں بنارس کے سکریٹری انجمن ترقی اردو کا مراسلہ بعنوان بالا نظر سے گزرا، پڑھ کر انتہائی حیرت ہوئی میں گزشتہ مہینے سیر و تفریح کے سلسلے میں لکھنؤ گیا تھا چند سڑکوں کے علاوہ میں نے ہر جگہ دیکھا کہ اب سڑک کے بڑے بڑے پتھروں پر وہ بھی خوش خط لکھے ہوئے جلی حرفوں میں سڑکوں کے نام ہندی اور انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی ہیں مثال کے طور پر لاجپت رائے مارگ، جگپال کرشنا لین وغیرہ۔ اس قسم کے پتھر جن پر انگریزی اور ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی نام لکھے ہوئے تھے کم سے کم پچاس ساٹھ میری نظر سے گزرے بس کے ٹکٹ البتہ صرف ہندی میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سکریٹری صاحب نے بنارس میں بیٹھے بیٹھے محض سنی سنائی باتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے شکایت نامہ لکھ مارا اور صحیح اور غلط ہر قسم کی شکایتیں لکھ ڈالیں۔

اسی طرح لکھنؤ کے ایک معروف بلکہ مشہور ہفتہ وار میں کئی بار پڑھا تھا کہ اسٹیشنوں کی تختیوں پر اردو میں لکھے ہوئے نام کھرچ کھرچ کر مٹائے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ تقسیم کے بعد یہ ہوا ہو یا ہندی کے کسی نادان ریلوے افسر نے اپنی ہندی دوستی کے غلبے سے متاثر ہو کر یہ حماقت کی ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے تو بہار اور اتر پردیش کے تقریباً ہر اسٹیشن پر متعلقہ اسٹیشن کا نام اردو میں بھی لکھا نظر آیا کانپور، لکھنؤ، آگرہ جیسے جنکشنوں پر ہی نہیں بلکہ جھاجھا، گدھور، دلدار نگر، گوندپوری، مجھلک اور اکدل جیسے غیر معروف درجنوں اسٹیشنوں پر اردو نام بھی نظر آئے پھر بھی متذکرہ اخبار صداقت نشان میں یہ کبھی نظر سے نہیں گزرا کہ از سر نو اردو میں بھی اسٹیشنوں کے نام لکھوائے گئے یا لکھوائے جا رہے ہیں۔ شکایتوں کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کا یہ فرض ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی غلط کاریوں کی تلافی کی جائے یا انصاف بحال کیا جائے تو فراخ دلانہ طور پر اس کا ذکر خیر کر دیا جائے۔ نہ یہ کہ شکایتیں بار بار کریں اور ذکر انصاف سے گریز۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ لکھنؤ کی جن جن سڑکوں اور شاہراؤں پر سے گزرا کم سے کم پچاس ساٹھ نام تختیاں بلکہ نام پتھر نظر آئے اور بہار اور اتر پردیش کے بیسیوں (بلا مبالغہ بیسیوں) اسٹیشنوں پر متعلقہ نام اردو میں بھی وہ بھی خوش خط صاف اور نمایاں حرفوں میں لکھے نظر آئے۔

ڈاکٹر جعفر حسن

اگلے سال یا پچھلے سال

"ہماری زبان" کا گذشتہ شمارہ مورخہ ۸ر اگست ۷۴ء نظر سے گزرا، محترم غنی صاحب سنگھیاوی کا اپنا ذاتی خیال ہے کہ "مجھے تو گزرے ہوئے سال کے لئے 'اگلے سال' کا استعمال کچھ کھٹکتا ہے۔ گزرے ہوئے اور آنے والے سال کے لئے علی الترتیب پچھلے سال اور اگلے سال کیوں نہ استعمال کیا جائے۔"

غنی صاحب بجا فرماتے ہیں۔ کسی مسئلہ کے حل کرنے میں عقل چکرائے تو بزرگوں کے زبان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ پچھلے لوگوں نے "اگلے" لفظ کا استعمال کر کے "گزشتہ" سے ہی مراد لی ہے اس امر کی تصدیق کے لئے مستند و صائب رائے مندرجہ ذیل اشعار سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

غالبؔ: ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب — سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا
غالبؔ: اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو — جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں
حالیؔ: بیقراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ — اب وہ اگلی سی درازی شب ہجراں میں نہیں

غالب نے اپنے پیشرو میر کو اگلے زمانے میں بتایا، اگلے وقتوں کے لوگوں کا تذکرہ کیا، آخری شعر میں حالی نے تو "اگلی سی درازی" کہہ کر بات صاف کر دی۔

موضوع بحث "پچھلے سال" تو ہے نہیں کیونکہ وہ صرف ماضی کے لئے استعمال ہوتا ہی ہے۔ زیر بحث "اگلے سال" ہے جس کو مستقبل کے لئے استعمال کیا جائے کہ نہیں۔

مستقبل کے لئے دیکھیے "آگے" بھی تو استعمال ہوتا ہے۔

"آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟" — "آگے اللہ مالک ہے"

"آگے" سے مراد حد سمت، سامنے، بالمقابل، روبرو اور درجہ بھی لی جا سکتی ہے۔

میرؔ: جاسے آگے ترا جب کسو نے نام لیا — دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
حالیؔ: آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتاں سے ہم — سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

بہر حال عقل سلیم اور بیدار مغز رکھنے والے حضرات کا جو بھی خیال ہو تحریر کریں تو اچھا ہی ہے مگر میرا یہی خیال ہے کہ "اگلے اور پچھلے" دونوں الفاظ بالکل متضاد نہیں بلکہ مترادف کے طور پر استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ صفت کی طرح استعمال کرنے مثلاً اگلے لوگ، اگلا پروگرام، اگلی دفعہ، اگلا صفحہ وغیرہ وغیرہ پر تو گزرے ہوئے اور آنے والے دونوں زمانے کی جھلک نظر آتی ہے۔ کسی بھی "اگلے، اگلا یا اگلی" سے مستقبل کا مطلب مراد لے لینا بھی تو مناسب نہیں ہے۔

دراصل "اگلے" لفظ سے "ماضی و مستقبل" سے مطلب نکالنا اس کے استعمال پر منحصر ہے۔ اس لفظ کے طریق استعمال، موقعہ و محل اور جملوں کی ساخت سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ "اگلے" کے ساتھ جملے میں جس زمانہ کا فعل استعمال کیا جائے گا ویسا ہی مطلب

نکالا جائیگا۔ "اگلا پروگرام کیا تھا" اور "اگلا پروگرام کیا ہوگا" سے، علی الترتیب ماضی و مستقبل کا علم ہوتا ہے۔ (ایس۔ ایم حسین گورکھپور)

ایک پہلو

اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو عوام اسی کام کو زیادہ پسند کرتے ہیں جس کا صلہ ہاتھ کے ہاتھ مل جائے یا جس کے فوائد پیش نظر ہوں حالانکہ جو شخص کسی کام کو صرف نظریۂ سود و زیاں سے کریگا وہ اس کی روح تک نہیں پہنچ سکتا مگر چونکہ اس کی نگاہ سطحی ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی زندگی اسی معیار پر گزار کر دنیا سے چلا جاتا ہے اور اس کا نام اہل نظر کی فہرست میں نہیں آتا۔

اگر مذکورہ بالا معیار پر ہم اردو کی رفتار ترقی کا جائزہ لیں تو ہم اردو کی طرف سے مکمل اطمینان نہیں کر سکتے اردو کی اسکولی مہم جاری ہے اور اسکولوں میں اردو جاری کی کوشش کے لئے اردو والے ہر طرح کوشاں ہیں مگر میرے نزدیک صرف اسی پر اکتفا کر لینا کافی نہیں بہت سے اردو والے اردو صرف محبت کی بنا پر پڑھ رہے ہیں اگر اس کے اقتصادی یا ظاہری فوائد سامنے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو پڑھنے والوں کی تعداد اطمینان بخش نہ ہو جائے۔

سہ لسانی فارمولہ سے پہلے تو مدعیان اردو، اردو پڑھنے سے کیوں کتراتے تھے اور ہندی شوق سے کیوں پڑھتے تھے اگرچہ اس فارمولے سے بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑا ہے (ہندی پڑھنے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے) بات کچھ بھی ہو لیکن ہندی پڑھنے کا خاص سبب تلاش کرنا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ عام نقطۂ نظر کے مطابق اگر علم سے انسان کو کوئی اقتصادی فائدہ نہ ہو تو اس کی نگاہ میں علم ایک بیکار سی چیز کا نام ہے۔

اس تمہید کا مطلب یہ ہے کہ اردو والوں کو اردو کی تحریک اس طرح اور اس پہلو سے بھی شروع کرنی چاہیئے کہ ضلع پریشدوں کے دفاتر میں اردو کو جاری کرانے کا مطالبہ کیا جائے، اگر ضلع پریشدوں سے ہمارا یہ مطالبہ شروع ہو جائے تو پھر بہت سی مشکلات حل ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ ضلع پریشدوں کو اردو جاننے والے ملازمین کی ضرورت پڑے گی اس طرح اردو والے اقتصادی فائدہ بھی اٹھا سکیں گے جب عوام کے سامنے یہ بات آجائے گی کہ اردو پڑھنے سے ملازمت مل جاتی ہے تو لازمی طور پر لوگ اردو کی تعلیم بھی حاصل کریں گے۔

عام طور پر لوگ اردو نہ پڑھنے کا عذر یہ بتلاتے ہیں کہ میاں اس کو پڑھ کر کیا ملازمت ملتی ہے ہندی پڑھ کر تو ملازمت ملتی ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ مسکت جواب ہوگا۔

جن ضلعوں میں بیس فیصدی یا اس سے زیادہ آبادی کی مادری زبان اردو ہے وہاں قانوناً اردو جاری ہو سکتی ہے میں مرکزی انجمن سے یہ گزارش کرونگا کہ وہ ہماری زبان میں لگاتار ان مراعات کو بھی شائع کرتی رہا کرے جو گورنمنٹ سے حاصل ہیں مثلاً یہی کہ جہاں بیس فیصدی یا اس سے زیادہ آبادی اردو والوں کی ہے وہاں اردو میں سرکاری کام ہو سکتا ہے وغیرہ۔ (عطا رحمانی سکریٹری انجمن ترقی اردو واسنہ ضلع میرٹھ)

سکھاڈیا کل ہند اردو کانفرنس کا افتتاح کریں گے

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کی کل ہند اردو کانفرنس کا افتتاح شری موہن لال سکھاڈیا وزیر اعلیٰ راجستھان کریں گے۔ یہ کانفرنس ۲۔ اکتوبر سے ۴۔ اکتوبر تک جے پور میں ہوگی۔ راجستھان کے گورنر ڈاکٹر سمپورنانند کانفرنس کے مشاعرہ کا افتتاح اپنی غزل سے کریں گے۔

حیرت شملوی کا انتقال

کراچی ۱۱ ستمبر عبدالمجید حیرت شملوی کا انتقال پرسوں بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات کو نو بجے ہو گیا انھوں نے کوئی ۸ بجے کھانا کھایا، تھوڑی دیر بعد انھوں نے معدہ میں بھاری پن کی شکایت کی اور سوڈے کی بوتل منگوا کر پی۔ پیتے ہی انھیں ڈکار آگئی۔ فرمانے لگے اب طبیعت ٹھیک ہو گئی ہے اس کے بعد وہ لیٹ گئے اور یکایک ایک دو ہچکیاں آئیں اور وہ اپنے رب سے جا ملے تدفین جمعرات کو دن کے ۲ بجے عمل میں آئی۔

ضیاء الدین احمد برنی (کتابی دنیا کراچی)

مشاعرہ

قدیم بزم سخن۔ بھاگلپور کے زیر اہتمام ۲۲ر اگست ۹۲ء کو ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب نند کشور نندا اسسٹنٹ سیشن جج بھاگلپور نے فرمائی۔ مقامی شعراء نے سامعین کی خاصی بڑی تعداد کو ۱۲ بجے شب تک اپنے کلام سے محظوظ کیا۔

(واجد علی قمر) سکریٹری قدیم بزم سخن بھاگلپور

ضروری اطلاع

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر کریں

انجمن ترقی اردو نے یوم جگر منایا

مراد آباد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰ ستمبر کو "جدت" آفس میں زیر صدارت مولانا منظور حسین ناصی یوم جگر کے سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں شہر کے ہر طبقہ و خیال کے لوگ بہ کثرت شریک ہوئے سب سے پہلے حضرت جگر کے حالات زندگی اور ان کی غزل گوئی پر مولانا عمر دراز بیگ مالک روزنامہ جدت نے ایک تقریر کی۔ اس کے بعد صدر جلسہ نے اردو کی اہمیت پر ایک موثر تقریر کی پھر متفقہ ذیل تین تجاویز منظور کی گئیں۔

میونسپل مدارس میں اردو کی ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں ان کے بارے میں طے پایا کہ دو افراد پر مشتمل انجمن کا ایک وفد محکمہ افسران متعلقہ سے ملاقات کر کے مناسب کارروائی کرے۔

عدالت ہائے دیوانی و فوجداری میں اردو کی درخواستیں لئے جانے کے سلسلے میں افسران بالا کو توجہ دلائی جائے اور اس سلسلہ میں مناسب اور پر امن جد و جہد کی جائے۔

طے پایا کہ متعلقی ریلوے اور روڈویز محکموں کے افسران سے ملکر درخواست کی جائے کہ وہ سرکاری دفاتر کا دفتروں، ریل ڈبوں نیز جہاں ہندی بورڈ نصب ہیں ان پر اردو میں بھی رہنمائی اور الفاظ لکھوائیں تاکہ اردو جاننے والے عوام کو سہولت ہو۔

ان تجاویز کی منظوری کے بعد محفل مشاعرہ زیر صدارت جناب قمر مراد آبادی منعقد ہوئی جس میں صدر مشاعرہ اور جناب کیف مراد آبادی کے علاوہ بہت سے شعرائے کرام نے حصہ لیا۔ آخر میں صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو مشاعرہ میں ان کا شکریہ ادا کر کے فرائض انجام دیئے۔

(بحوالہ "جدت")

سوغات

ادارۂ فکر نو، شاہ گنج، اورنگ آباد ضلع گیا "سوغات" کے نام سے اورنگ آباد (گیا) کے قلم کاروں کی تحریروں کا ایک مجموعہ عنقریب پیش کر رہا ہے اس مجموعے کو علی حیدر ملک اور تبسم شفائی ترتیب دے رہے ہیں۔

(نامہ نگار)

امریکی طلبہ ہندی اردو سیکھیں گے

امریکہ کے تقریباً ۲۵ انڈر گریجویٹ طلبا اس ہفتے ہندوستان پہنچ رہے ہیں۔ یہ طلبا ہندوستانی زبانوں کی تعلیم حاصل کریں گے۔

ہندوستان میں پہونچکر یہ امریکی طلبا تین گروپوں میں بٹ جائیں گے وہ اپنی خصوصی تربیت کے لحاظ سے ہندی اردو اور تلگو کا مطالعہ کریں گے اور بنارس، دلی، عثمانیہ یونیورسٹیوں میں تعلیم پائیں گے۔

(سیاست جدید کانپور)

کوٹہ کی ادبی سرگرمیاں

بزم شعور کوٹہ کی جانب سے شاد منزل کوٹہ میں یکم ستمبر کو جناب عبد الغنی رہبر، عبد الصمد رضوی اور چمن بدایونی کے اعزاز میں ایک ادبی نشست ہوئی۔ اس پروگرام میں ہندی اور اردو زبان کے مقامی ادباء و شعراء نے شرکت کی۔ (دیا ساگر سکریٹری بزم شعور کوٹہ)

"مورچہ" کا اختر اورینوی نمبر

ہفتہ وار "مورچہ" گیا کا اختر اورینوی نمبر عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ اس نمبر میں اختر اورینوی کی شخصیت اور فن پر چوٹی کے لکھنے والوں کے مقالات شامل ہونگے۔

شعلہ حیات بھوپال کا مدھیہ پردیش اردو نمبر

آل انڈیا اردو کانفرنس کے موقع پر جو ۲، ۳، ۴ اکتوبر کو جے پور میں ہوگی ادارہ شعلہ حیات بھوپال اپنا خصوصی نمبر "مدھیہ پردیش اردو" شائع کرے گا۔ جو تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

نارسیدہ

مصنف : وارث کرمانی　　ناشر : مصنف

ملنے کا پتہ : دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ

قیمت : درج نہیں

"نارسیدہ" جناب وارث کرمانی کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ شاعر کے اپنے قول کے مطابق اس کا سن پیدائش ۱۹۲۲ء ہے اس حساب سے اس وقت اس کی عمر ۴۳ سال ہے۔ اس عمر کے شاعروں کی جو نسل اس وقت اردو شاعری کے ایوان میں اہل نظر کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے وہ (مشاعرے کے روایتی شاعروں کو چھوڑ کر) اس مخصوص شعری مزاج اور ذہنی رویے کی مظہر ہے جو تقسیم ہند کے بعد ابھر کر سامنے آیا ہے۔ ان شعراء کی نظموں اور غزلوں میں محسوسات و کیفیات اور اسلوب و لہجے کے اعتبار سے ایک ایسا آہنگ ملتا ہے جو فراق، فیض، راشد، مجاز، جذبی، سردار جعفری، اور اختر الایمان کی شعری تخلیقات کے مقابلے میں بھی نیا اور تازہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نوع کی شاعری کے متعلق گفتگو کرتے وقت اس کی ادبی قدر و قیمت کے بارے میں کوئی قطعی رائے دینا ابھی قبل از وقت ہے کیونکہ وہ ابھی تعمیر و تشکیل کی منزل میں ہے البتہ ایک فرق کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں "نارسیدہ" کے قاری کے لئے ایک الجھن پیدا ہوتی ہے کہ وہ شاعر کے سن پیدائش اور اس کے سن و سال کو دیکھ کر اس کی شاعری کا رشتہ اس کے معاصر شاعروں سے ملائے اور اس کی فنی کاوشوں کے حال اور مستقبل پر کوئی حکم لگائے یا پھر اسے ایک ایسا شاعر تصور کرے جو عصر اور زمانے سے ماورا ہوتے ہیں اور جنھیں تاریخی جبریت بھی اپنی گرفت میں لینے سے معذور ہے۔ یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ "نارسیدہ" کا شاعر اپنے شعری آہنگ کے اعتبار سے کبھی حافظ و نظامی کا ہمنوا معلوم ہوتا ہے کبھی اس کے یہاں سودا اور انیس کی گونج سنائی دیتی ہے کبھی وہ جگر، حسرت و اقبال سے ہمکلام نظر آتا ہے تو کبھی اس پر جوش و اختر شیرانی کے ہم صحبت و ہم مشرب ہونے کا گمان ہوتا ہے بات دراصل یہ ہے کہ وارث کرمانی نے اپنے شاعرانہ مزاج اور لب و لہجے کی تشکیل ان کتابوں کے واسطے سے کی ہے جن کے مطالعے کا انھیں موقع مل سکا ہے یا ان شعراء کی رہنمائی میں جو انھیں اب تک پسند آتے رہے ہیں۔ ہماری کلاسیکی شاعری کے ان ذی مرتبت شعراء کا دور گزر جانے کے بعد تاریخی اور معاشرتی حالات نے قدیم سانچوں میں جو شکست و ریخت کی ہے اور اس کے نتیجے میں یہ اصناف نظم و غزل جن تبدیلیوں سے دوچار ہوئی ہے، اس کی اطلاع شاعر کو اس وقت ہوئی ہے جب وہ اپنا مجموعہ کلام چھپوانے کی نیت کر لیتا ہے لیکن اس اطلاع یا احساس کے نتیجے میں اس کی گزشتہ شاعری منقلب ہونے سے رہی اور نہ ہی اس کا امکان تھا کہ موجودہ شاعری دم کے دم میں اپنا جسم اپنی روح تبدیل کر دے چنانچہ اس نے بڑی دیانت داری کے ساتھ خود ہی اپنے حدود کا کتاب کی تمہید میں اعتراف کر لیا ہے

"میں نے اپنی شاعری کی ابتدا فارسی زبان میں کی۔ فارسی ہی کے عظیم شاعروں کو پڑھ کر دل میں شاعری کا شوق پیدا ہوا تھا چنانچہ اٹھارہ سال سے پچیس سال کی عمر تک مسلسل فارسی میں نظمیں اور غزلیں لکھتا رہا۔ ان میں سے دو نظمیں یادگار کے طور پر اس مجموعے میں شامل کر دی ہیں۔ بقیہ کلام اس طرف سے دل برداشتہ ہو جانے کی وجہ سے تلف ہو گیا، فارسی شاعروں میں نظامی گنجوی اور حافظ سے مجھے سب سے زیادہ محبت تھی اور اب بھی کافی حد تک باقی ہے۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد مجھے انگریزی ادب میں ایم۔ اے کرنا پڑا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے دیس کے اردو شاعروں کی طرف بھی گزر ہوا تو جذبہ و خیال کے ایک نئے ذائقے سے شناسائی ہوئی جس کی بنا پر مجھے اپنی پچھلی شاعری کچھ روایتی سی معلوم ہونے لگی اور دلکشی بھی کچھ بے جان سی معلوم ہوا یہ پہلا موقع تھا جب مجھے اپنے اوپر فارسی کلاسکیت کی جکڑ بندی کا اندازہ ہوا اور اپنی تازہ رومانیت کے اظہار میں دقت محسوس ہوئی اس وقت سے میں برابر آسان اور بے ساختہ زبان پر عبور حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہوں جس میں ابھی تک خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی ہے"

مصنف کے اس اعتراف کے بعد تبصرہ نگار کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس مجموعے کی پرکھ میں وہ جدید تر شعری معیار و اقدار کو اپنا پیمانہ بنائے بلکہ اسے اس نوجوان شاعر کے ساتھ ایک گونہ ہمدردی ہوتی ہے جو خود اپنے آپ کو دریافت کرنے میں مخلصانہ طور پر مصروف ہے۔ ویسے یہ کوئی ضروری بھی نہیں کہ کسی نوخیز شاعر کی اولین اور ابتدائی کاوشوں کو سامنے رکھ کر اپنی ہمہ دانی اور ناقدانہ و فنکارانہ بصیرت کے اظہار کا موقع تلاش کیا جائے اور اس طور پر اس کی دل آزاری اور حوصلہ شکنی کی جائے جو خود اپنی جگہ پر ایک غیر اخلاقی فعل اور نامستحسن اقدام ہے۔ تمام باتوں سے قطع نظر کر کے اس مجموعے کو اگر لطف و مسرت حاصل کرنے کے لئے پڑھا جائے تو اس کا سامان خاصی حد تک موجود ہے۔

وارث کرمانی کی بیشتر نظمیں ان تجربات و محسوسات سے متعلق ہیں جنھیں عنفوان شباب کی معصوم محبت اور احساس جمال کی بیداری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ انھوں نے ایک صحت مند نوجوان کی طرح فطرت اور مظاہر فطرت کی رعنائی اور دلکشی کو محسوس کیا ہے اور اس سے اپنی روح میں اہتزاز کی کیفیت محسوس کی ہے عمر کی ایک خاص منزل میں ہر شخص ہی کچھ محسوس کرتا ہے یہ الگ بات ہے کہ انھیں اپنے پیرایے میں بیان کرتا ہے۔ کرمانی نے اپنے مخصوص

پیرایے میں ان کی بھرپور عکاسی کرنے کی کوشش کی ہے ایسی نظموں میں "شباب" "دعوت" "شادی کے بعد" اور "سراپا" خاص طور پر لائق توجہ ہیں۔ بعض نظمیں اس منزل سے گزرنے کے بعد کی ہیں جب شاعر کو زندگی کی بعض تلخ حقیقتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے وہ تخیلات کی دنیا میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ "پرچھائیاں" "جزیرے" "رازِ سخن" "تخلیق" "ایک شہر" اور "خراب آباد" اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔ بعض نظمیں سیاسی اور قومی موضوعات پر بھی ہیں جیسے "اردو کی آواز" "مہاتما گاندھی" اور "ہندایشیا" ان نظموں میں شاعر کا ذاتی تجربہ و احساس شامل نہیں ہے اور طرزِ بیان بھی پرانا ہے اس لئے شاعر کی قادر الکلامی کا تو احساس ہوتا ہے لیکن کسی قسم کا حظ نہیں حاصل ہوتا۔ مجموعے کے آخری صفحوں تک پہنچتے پہنچتے ہمیں دو طنزیہ نظمیں ملتی ہیں "سوز ہنر" اور "گلاب کا پھول"۔ ان نظموں کا موضوع ان مدعیانِ علم و مربیانِ فن کا کردار ہے جو اپنی مصلحت کوشی اور دنیا سازی کی بنا پر اپنی شخصیت کا اصل جوہر کھو دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس مجموعے کی کامیاب ترین نظمیں ہیں۔ ویسے نظم "سفر" اس لحاظ سے قابلِ توجہ ہے کہ وہ موجودہ دور کے شعری مزاج سے خاصی قریب ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دن دور نہیں ہیں جب شاعر اس نئے سفر پر روانہ ہو جائے گا جب اس کا فن متحرک ہو کر عہدِ حاضر کی شعری فضا میں سانس لے گا اور اس کا دوسرا مجموعہ کلام ہم ایک نئے لباس میں دیکھیں گے۔

میں نے اب تک کرمانی کی غزلوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ مجھے ان کی غزلوں میں شخصی تجربوں کی کمی اور روایت کی پاسداری کا احساس زیادہ ہوا پھر بھی بعض شعر ایسے کہہ گئے ہیں جن کی داد نہ دینا بہت بڑا ظلم ہوگا۔ مثلاً

کچھ نگاہوں سے غمِ دل کی خبر ملتی ہے — ورنہ ہم وہ ہیں کہ باتوں سے ہوا بھی نہ ملے

اس قدر قحطِ بصیرت بھی نہیں آ واعظ — ہم بتوں کیلئے نکلیں تو خدا بھی نہ ملے

عبدالغفار شکیل

دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین

از نصیر الدین ہاشمی

شائع کردہ آزاد کتاب گھر کلاں محل دہلی

صفحات ۲۰۱ قیمت درج نہیں

جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب ایک عرصہ دراز سے دکنی ادب کے ذخیروں کو گمنامی کے پردوں سے نکال کر منظر عام پر لاتے رہے ہیں ان کی کتاب "دکن میں اردو" اب تک پانچ مرتبہ چھپ چکی ہے اور کئی ایک یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے دکنی ادب کے محقق کی حیثیت سے ان کی خدمات قابلِ تحسین ہی نہیں قابلِ تقلید بھی ہیں دکنی ادب کو روشناس کرانے کے سلسلے میں انھوں نے متعدد مضامین لکھے ان مضامین میں ادبیت یا تنقید کے فقدان کا اعتراف خود مصنف کو ہے یہ بات قابلِ ستائش ہے۔ کہ دعویٰ کرنے کے بجائے انھوں نے بڑے خلوص کے ساتھ دکنی ادب کی خدمت انجام دی ہے اور دکنی کے ادب ناموں کو تحقیق کی نظر سے دیکھا ہے تنقیدی کام انھوں نے دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے ہاشمی صاحب کا ایک مجموعہ عرصہ ہوا "مقالات ہاشمی" کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے یہ دوسرا مجموعہ "دکنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین" آزاد کتاب گھر دہلی سے شائع ہوا ہے جس میں مصنف کے وہ مضامین شامل ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور اب ترمیم و اضافے کے بعد کتابی صورت میں آگئے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں نو مضمون ہیں اور دکنی ادب کے موضوعات، مذہبی و ادبی سرمائے کے تعارف کے سلسلے میں بے حد مفید ہیں۔ کتاب کا ایک اہم مضمون "اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز" ہے دکنی ادب پر کام کرنے والوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ناگزیر ہے بعض باتیں وضاحت طلب ہیں جن کے بارے میں خود مصنف نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک نشانِ راہ کا کام دے سکتی ہے لکھائی اور چھپائی کے اعتبار سے آزاد کتاب گھر والوں نے اپنے حسن و معیار کو برقرار رکھا ہے اس لئے وہ بھی قابلِ مبارکباد ہیں۔

نوادہ کالج کے غیر ہندی طلبا کا احتجاج

نوادہ (ڈاک سے) ۳۱ راگست بوقت ۵ بجے شام کے ایل۔ ایس۔ کالج نوادہ کے غیر ہندی طلبہ کی ایک میٹنگ زیرِ صدارت جناب خلیق الزماں ضیائی بی۔ اے فائنل منعقد ہوئی جلسہ میں مگدھ یونیورسٹی کے اس سرکلر کے خلاف تقریریں ہوئیں جس کی رو سے ۱۹۶۵ء سے ہی غیر ہندی طلبہ کو ان کی مادری زبان میں امتحانات دینے کی سہولت چھین لی گئی ہے یہ سرکلر آئین میں دیئے گئے حقوق کے خلاف ہے کیونکہ آئین میں طلبہ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ امتحانات میں اپنے خیالات کی ترجمانی اپنی مادری زبان میں کر سکتے ہیں۔ اگر یہ سہولت طلبہ سے چھین لی گئی تو وہ اچھی صلاحیت رکھنے کے باوجود امتحانات کے مقابلے میں دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے۔ آخر میں ایک رزولیوشن جناب سید رئیس احمد اور جناب علاؤ الدین برنی بی اے حصہ دوم نے پیش کیا جو بالاتفاق رائے پاس ہوا اس کی ایک کاپی چانسلر اور وائس چانسلر مگدھ یونیورسٹی نیز وزیرِ تعلیم کو بھیجی جائے گی اور اگر ضرورت محسوس کی گئی تو ایک وفد بھی ان حضرات سے ملیگا۔ (منقول از سیاست جدید کانپور)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علیگڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شائع کیا